علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز!

مولانا شایان احمد
متخصص علومِ حدیث، جامعہ

قرآن مجید دینِ اسلام کی اَساس اور بنیاد ہے اور اسی محکم بنیاد پر اسلام کی خوبصورت اور بلند و بالا عمارت مستوی ہے اور یہی وہ کتابِ سماوی ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی، ارشادِ ربانی ہے:

''إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ.'' (بنی اسرائیل:۹)

ترجمہ: ''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔''

جن لوگوں نے قرآنی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنایا، وہ کبھی تاریک راہوں میں نہ بھٹکے اور قرآن مجید نے انہیں ''إِنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا'' کا مژدہ سنایا۔ مسلمانوں کی جمعیت نے جب قرآنی احکامات کی پاسداری کی تو اللہ رب العزت نے انہیں ''لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِيْ الْأَرْضِ'' کے نقد انعام سے نوازا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت جو اسلام سے پہلے جہالت کی اَتھاہ گہرائیوں میں تھی اور ان پر کوئی حکومت کرنا پسند نہ کرتا تھا، قرآنی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے بعد دنیا میں اللہ کی رضا کا پروانہ حاصل کیا اور ماسوا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے تمام انسانوں سے افضل قرار پائے۔ قرآن مجید کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اور اس کے بغیر منشأ خداوندی کو سمجھنا محال ہے: ''أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ'' ....''وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ'' گویا تعلیم کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارِ نبوت کا ایک جزء تھا، تعلیم کتاب بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل وحیِ الٰہی تھا: ''إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى.'' لہٰذا فہمِ قرآن کا مدار فہمِ حدیث پر ہوا اور فہمِ حدیث گویا فہمِ قرآن کے لیے ناگزیر ہے۔ یہی علوم (قرآن و حدیث) علمِ شریعت کی بنیاد کہلائے اور طالبینِ علوم کی نظر ہمیشہ سے انہی علومِ عالیہ پر رہی، قرنِ اول سے ہی لوگوں نے ان دونوں علوم کی خدمت کو سعادت سمجھا اور اس بحرِ ذخار میں غوطہ زن ہوکر گوہرِ نایاب اُمت کے سامنے رکھ دیئے اور اپنی عمرِ عزیز کو اس علم کی جستجو میں فنا کرتے رہے۔

علوم قرآن وحدیث اپنی وسعت کی وجہ سے کئی شعبوں میں منقسم ہوگئے اور ہر شعبے میں انہیں ایسے رجال کار مہیا ہوگئے، جنہوں نے اس کی تدوین وتبویب کی اور ہر فن کو دوسرے فن سے ممتاز کیا۔ علومِ حدیث کی وسعت کے لیے چھٹی صدی ہجری کے محدث وفقیہ، امام ابوبکر زین الدین حازمیؒ کے فرمان پر نگاہ ڈالیے:

’’علم الحديث يشمل على أنواع كثيرة، تقرب من مائة نوع، ذكر منها أبوعبد اللّٰه الحاكم في معرفة علوم الحديث.‘‘ (عجالۃ المبتدی وفضالۃ المنتہی للحازمی، ص:۳، المطبعۃ الامیریۃ)

’’علمِ حدیث کی سو کے لگ بھگ انواع ہیں، ابوعبداللہ حاکمؒ نے اپنی کتاب ’’معرفة علوم الحديث‘‘ میں ان انواع میں سے معتد بہ ذکر کی ہیں۔‘‘

امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ میں پینسٹھ (۶۵) انواع ذکر کی ہیں، جبکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر کتب سے جمع کرکے اپنے اضافات کے ساتھ ’’تدريب الراوي‘‘ میں چورانوے (۹۴) انواع ذکر کی ہیں۔ یہ ساری انواع بعد کے لوگوں کی اختراع کردہ نہیں، بلکہ قرونِ اولیٰ میں علومِ حدیث کی بعض انواع کا وجود ملتا ہے، جس پر اس مضمون میں روشنی ڈالی جائے گی کہ علمِ حدیث میں تصانیف کی ابتداء کب سے ہوئی؟

علمِ حدیث کی خدمت تو عہدِ نبوی سے ہی شروع ہوچکی تھی، لیکن عرب چونکہ حافظہ کی مدد سے علم کو باقی رکھتے تھے، لہٰذا پہلی صدی ہجری میں کتابت کا کچھ خاص اہتمام نہ تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا خیال اس طرف گیا کہ اگر اسی طرح حافظہ پر اعتماد رہا تو رفتہ رفتہ اس میں انحطاط آجائے گا اور یہ علوم ضائع ہوجائیں گے، لہٰذا انہوں نے ابن شہاب زہریؒ کو کتابتِ حدیث کا حکم فرمایا، اس سے پہلے کتابت کا رواج جو خال خال تھا، اس نے زور پکڑا اور نقوشِ ذہنیہ صفحۂ قرطاس پر آنے لگے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح نخبہ میں فرمایا:

’’فمِنْ أَوَّلِ مَنْ صَنَّفَ في ذٰلک القاضي أبو محمد الرامهرمزيّ كتابه المحدث الفاصل.‘‘

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق ابو محمد رامہرمزی رحمۃ اللہ علیہ اول مصنفین میں سے ہیں اور ان کی وفات ۳۶۰ھ میں ہوئی، گویا علم حدیث چوتھی صدی ہجری میں مرتب ہوا۔ حافظؒ کے اس کلام پر مضمون کے آخر میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے کہ حافظؒ کے کلام کا کیا مطلب ہے؟ اور شراح نے اس کی کیا توجیہات فرمائی ہیں! سرِدست یہ دیکھنا ہے کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز کب ہوا؟!

امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’’معرفة علوم الحديث‘‘ میں ’’النوع العشرين‘‘ کے تحت متقدمینِ فن کا ذکر فرمایا ہے اور انہی اساطینِ علم میں علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز اصولِ حدیث میں ان کی تصنیفاتِ کثیرہ کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تصنیفات کے ذکر سے قبل ان کے مختصر حالات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ علومِ حدیث میں ان کا تقدُّم اور جلالتِ شان معلوم ہوسکے۔

مختصر احوال علی ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ

نام وکنیت اور ولادت باسعادت

آپ کی کنیت ابوالحسن اور مکمل نسب اس طرح ہے: علی بن عبد اللہ بن جعفر بن نجیح بن بکر بن سعد السعدی، المعروف بابن المدینیؒ۔ علی بن المدینیؒ بصرہ میں ۱۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔

اساتذۂ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ

علی بن المدینیؒ کے اساتذہ میں سے: ان کے والد عبد اللہ بن جعفر (۱۷۸ھ)، حماد بن زید (۹۸-۱۷۹ھ) جعفر بن سلیمان (۱۷۸ھ)، یزید بن زریع (۱۰۱-۱۸۲ھ)، عبد العزیز الدراوردی (۱۸۷ھ) معتمر ابن سلیمان (۱۰۶-۱۸۷ھ)، سفیان بن عیینہ (۱۰۷-۱۹۸ھ)، جریر بن عبد الحمید (۱۸۸ھ)، غندر (۲۹۴ھ)، حاتم بن وردان (۱۸۴ھ)، عبد العزیز بن ابی حازم (۱۸۴ھ)، معاویہ بن عبد الکریم (۱۸۰ھ)، یوسف ابن الماجشون (۱۸۵ھ)، عبد الوہاب ثقفی (۱۹۴ھ)، ہشام بن یوسف (۱۹۷ھ)، عبد الرزاق (۱۲۶-۲۱۱ھ) اور ان کے علاوہ بہت سے اساطینِ علم وفضل داخل ہیں۔

امام ابن مدینیؒ نے ان اساتذہ سے علم حاصل کیا اور اس میں وصفِ کمال کو پہنچے اور اس شان میں ممتاز ہوئے اور تصانیف فرمائیں اور احادیث کو جمع کیا۔ کہا گیا ہے کہ: ''ان کی تصانیف دوسو (۲۰۰) کے لگ بھگ ہیں۔'' امام ابن مدینیؒ کا حلقۂ تلامیذ بھی بہت وسیع ہے، بڑے بڑے محدثین نے آپ سے روایات بیان فرمائی ہیں۔

تلامذہ علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے جنہوں نے روایت کی ہے ان میں سے: احمد بن حنبل (۱۶۴-۲۴۱ھ)، ابویحییٰ صاعقہ (۱۸۵-۲۵۵ھ)، زعفرانی (۲۶۰ھ)، ابوبکر صاغانی (۲۷۰ھ)، ابوعبد اللہ بخاری (۱۹۴-۲۵۶ھ)، ابوحاتم (۱۹۵-۲۷۷ھ)، حنبل بن اسحاق (۲۷۳ھ)، محمد بن یحییٰ (۱۷۲-۲۵۸ھ)، ابوداؤد (۲۷۵ھ)، حمید بن زنجویہ (۲۵۱ھ)، حسن البزار (۲۴۹ھ)، ابوداؤد الحرانی (۲۷۲ھ)، ابویعلی موصلی (۲۱۱-۳۰۷ھ)، ابوالقاسم بغوی وغیرہم شامل ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے شیخ سفیان بن عیینہؒ نے بھی آپ سے روایات نقل کی ہیں۔

ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ آپ کے شیخ تھے، آپ کا بہت ادب فرماتے اور نہایت تعظیم سے پیش آتے تھے۔ مسلم ابن علان اپنی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہؒ

نے علی بن المدینیؒ کے واسطے سے حدیث بیان فرمائی اور پھر فرمایا: تم لوگ مجھے علی بن المدینی کی محبت کے بارے میں ملامت کرتے ہو، اللہ کی قسم! میں نے علی سے اس سے زیادہ استفادہ کیا ہے جتنا استفادہ اس نے مجھ سے کیا ہے۔ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں: میں تمہاری مجلس میں بیٹھنے کا مشتاق نہیں ہوں، اگر علی بن المدینی نہ ہوتے تو میں تمہاری مجلس میں نہ بیٹھتا۔ خلف ابن ولید جوہری (۲۱۲ھ) فرماتے ہیں: ایک دن ابن عیینہؒ ہمارے پاس آئے اور علی بن المدینی ہمارے پاس تشریف فرما تھے، تو ابن عیینہؒ نے فرمایا: اگر علی ابن المدینی نہ ہوتے تو میں تمہارے پاس نہ آتا۔

علی ابن مدینیؒ دیگر اساطین علم کی نظر میں

ابوحاتم رازیؒ (۲۷۷ھ) کا ارشاد ہے: علی ابن المدینیؒ معرفتِ حدیث اور معرفتِ علل میں سب لوگوں سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ، علی ابن المدینی کا نام نہیں لیا کرتے تھے، بلکہ آپ کی عظمت کی وجہ سے آپ کی کنیت بیان کرتے تھے۔ ابراہیم ابن معقلؒ (۲۹۵ھ) نے فرمایا: میں نے امام بخاریؒ سے سنا وہ فرمارہے تھے: میں اپنے آپ کو کسی کے سامنے چھوٹا خیال نہیں کرتا سوائے علی ابن المدینی کے۔

امام بخاریؒ سے منقول ہے، ان سے پوچھا گیا: آپ کس بات کی تمنا رکھتے ہیں؟ امام بخاریؒ نے فرمایا: کہ میں عراق جاؤں اور علی بن المدینی بقیدِ حیات ہوں اور میں ان کی مجلس میں شرکت کروں۔

ابوعبیدہ آجریؒ فرماتے ہیں، ابوداؤد سے پوچھا گیا: احمد بن حنبل زیادہ علم والے ہیں یا پھر علی ابن المدینی؟ آپ نے فرمایا: علی ابن المدینی اختلافِ حدیث میں امام احمد سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

انتقال پُر ملال

امام علی ابن المدینیؒ کی وفات ۲۳۴ ہجری کو مقام سامرّاء میں ہوئی۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: ۲۸ ذیقعدہ کو ۲۳۴ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج:۱۱، ص:۴۱، ط: مؤسسۃ الرسالۃ)

علی بن المدینیؒ کے ترجمہ سے مقصود اُن کی جلالتِ شان وعلوِ مرتبت کا بیان تھا کہ دوسری صدی کے عظیم المرتبت محدث نے علومِ حدیث پر قلم اُٹھایا تو ایسی تصانیف چھوڑیں کہ بعد کے علماء اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور ہر دور میں علمائے حدیث ان کے خوشہ چین رہے۔ ذیل میں علی ابن المدینیؒ کی تصانیف کا ذکر کیا جاتا ہے، جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجائے گی کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز کب سے ہوا؟

حاکمؒ نے ''**معرفة علوم الحديث**'' میں اور امام ذہبیؒ نے ''**سير أعلام النبلاء**'' میں علی بن المدینی کی ۲۶ کتب کا ذکر کیا ہے۔

تصانیف علی بن المدینیؒ

۱:-’’الاسماء والکنی ‘‘(۸)اجزاء ۲:-’’الضعفاء ‘‘(۱۰)اجزاء
۳:-’’المدلسون ‘‘(۵)اجزاء ۴:-’’اول من فصح عن الرجال ‘‘(۱)جزء
۵:-’’الطبقات ‘‘(۱۰)اجزاء ۶:-’’من روی عمن لم یرہ‘‘(۱)جزء
۷:-’’علل المسند ‘‘(۳۰)اجزاء ۸:-’’العلل من رواية إسماعيل القاضي ‘‘(۱۴)اجزاء
۹:-’’التاریخ ‘‘(۱۰)اجزاء ۱۰:-’’علل حديث ابن عيينة ‘‘(۱۳)اجزاء
۱۱:-’’من لایحتج بہ ولا یسقط ‘‘(۲)اجزاء ۱۲:-’’من نزل من الصحابةؓ النواحي‘‘(۵)اجزاء
۱۳:-’’العرض علی المحدث ‘‘(۵)اجزاء ۱۴:-’’من حدث ورجع عنہ ‘‘(۲)اجزاء
۱۵:-’’سؤالات یحییٰ القطان ‘‘(۲)اجزاء ۱۶:-’’سؤال یحییٰ وابن مهدي عن الرجال ‘‘(۵)اجزاء
۱۷:-’’الأسانيد الشاذة ‘‘(۲)اجزاء ۱۸:-’’الثقات ‘‘(۱۰)اجزاء
۱۹:-’’اختلاف الحديث ‘‘(۵)اجزاء ۲۰:-’’الأشربة ‘‘(۳)اجزاء
۲۱:-’’الغریب‘‘(۵)اجزاء ۲۲:-’’الإخوة والأخوات‘‘(۳)اجزاء
۲۳:-’’من عرف بغير اسم أبيه ‘‘(۲)اجزاء ۲۴:-’’من عرف بلقبہٖ‘‘(۱)جزء
۲۵:-’’العلل المتفرقة ‘‘(۳۰)اجزاء ۲۶:-’’مذاهب المحدثين‘‘(۲)اجزاء

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ترجمہ علی ابن المدینی، ج:۱۱ص:۶۰، ط:مؤسسۃ الرسالۃ۔معرفۃ علوم الحدیث للحاکم، النوع العشرون، ص:۷۱، ط:دار الکتب المصریہ)

نتیجہ

امام علی ابن المدینیؒ کے احوال اور ان کی تصانیف سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز علی ابن المدینیؒ کے ہاتھوں دوسری صدی کے اخیر میں ہوگیا تھا۔ اس سے معترضین کا وہ اعتراض بھی دور ہوگیا کہ علوم حدیث کی تدوین وتبویب علمائے متأخرین نے شروع کی۔ اس کے علاوہ جزوی اور ضمنی طور پر بھی محدثین ہمیشہ علومِ حدیث پر اجزاء لکھتے رہے، جیسے امام شافعیؒ نے اپنی کتاب ’’الرسالة‘‘ میں ضمناً اہم مباحث ذکر فرمائے ہیں۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کی ابتداء میں علومِ حدیث پر جاندار مقدمہ تحریر فرمایا۔ امام ترمذیؒ نے سنن کے آخر میں ’’کتاب العلل ‘‘ کی صورت میں پر مغز رسالہ لکھا، غرض یہ کہ متقدمین نے قرونِ اولیٰ میں کسی بھی طرح اس علم سے بے اعتنائی نہیں فرمائی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا جائزہ

ابتدائے مضمون میں حافظؒ کے کلام کا اجمالی ذکر تھا کہ انہوں نے ’’شرح نخبة الفكر ‘‘ میں ’’فمِنْ أَوَّلِ مَنْ صَنَّفَ في ذلك القاضي أبو محمد الرامهرمزيّ كتابَه المحدث الفاصل ‘‘ سے علم حدیث میں

اول تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ (شرح نخبۃ الفکر لابن حجرؒ، ص:۳۸، ط:مکتبۃ البشریٰ)

ماقبل کے بیان سے معلوم ہوا کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز دوسری صدی ہجری میں ہو چکا تھا اور اس سلسلہ میں علی ابن المدینیؒ کی چند کتب کے اسماء بھی ذکر کر دیئے گئے، جبکہ ابومحمد الرامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) چوتھی صدی کے بزرگ ہیں تو حافظؒ کی اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے متعلق ملا علی قاریؒ کی تشریح

پہلا مطلب:.... ملا علی قاریؒ نے شرح نخبہ میں حافظؒ کی عبارت کی توضیح اس طرح فرمائی کہ ''مِـــنْ أَوَّلِ'' میں ''مِــنْ'' تبعیضیہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ابومحمد رامہرمزی اوائل مصنفین میں سے ہیں، نہ کہ اول مصنف ہیں۔ گویا ایک جماعت نے اس زمانے میں تصانیف کیں، لیکن کوئی کسی پر سبقت نہ کر سکا۔ (شرح شرح النخبۃ لملاعلی قاری، ص:۱۳۷، ط:قدیمی) ملا علی قاریؒ کی توضیح سے بھی قرونِ اولیٰ کی تصانیف پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، بلکہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسی چوتھی صدی ہجری میں بہت سے لوگوں نے تصانیف کیں جن میں سے ایک رامہرمزیؒ بھی تھے۔

دوسرا مطلب:.... حافظؒ کے کلام کا ایک دوسرا مطلب ہے جسے اختیار کرنے کے بعد تمام اقوال میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ اول تصانیف سے مراد اشہر تصانیف ہیں کہ جن مصنفین کی کتابوں کے اسماء گرامی حافظؒ نے ''شــرح الــــنخبة'' میں ذکر کیے ہیں، وہ کتابیں مقبول بین الناس ہوئیں اور مشہور ہوئیں، لہٰذا علومِ حدیث میں شہرت پانے کے اعتبار سے یہ اول تصانیف ہوئیں۔

تیسرا اور لطیف مطلب:.... حافظؒ کی اس عبارت کا ایک لطیف مطلب جسے دکتور محمود الطحان نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، وہ یہ کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز تو قرونِ اولیٰ میں ہو چکا تھا، لیکن ہر فن دوسرے فن میں منضم تھا اور ممتاز نہ تھا، اصطلاحات مستقل نہ تھیں، چوتھی صدی ہجری میں اس پر ترتیب سے کتابیں لکھی گئیں اور ہر فن کو دوسرے سے ممتاز کیا گیا، گویا اس کی تنقیح چوتھی صدی ہجری میں ہوئی۔
(تیسیر مصطلح الحدیث، مقدمۃ العلمیۃ، ص:۱۰، ط:مکتبۃ البشریٰ)

خلاصۂ کلام

ساری تحریر کا لبِ لباب اور ثمرہ یہ ہے کہ علومِ حدیث میں تصانیف کا آغاز تو قرونِ اولیٰ میں علی ابن المدینیؒ کے ہاتھوں شروع ہوا اور چوتھی صدی ہجری میں اس کی تنقیح ہوئی اور کتابیں لکھی گئیں جو اطرافِ عالم میں مشہور ہوئیں۔